eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

CC BY
OPEN ACCESS

ڈاکٹر سائرہ ارشاد
لیکچرار، شعبہ اردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونی ورسٹی بہاول پور
فاطمہ صغیر
ایم ایس ریسرچ اسکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونی ورسٹی بہاول پور

Dr. Saira Irshad
Lecturer, Dept. Urdu, Government Sadiq College Women University, Bahawalpur
Fatima Sagheer
MS research Scholar, Dept. Urdu, Government Sadiq College Women University, Bahawalpur

ش فرخ کی آپ بیتی "جینے کا جرم" کے فکری و تخلیقی رجحانات

INTELLECTUAL AND CREATIVE TENDENCIES OF SHEEN FARRUKH'S AUTOBIOGRAPHY "JEENE KA JURAM"

ABSTRACT

Discovery and curiosity have been present in human since time immemorial. This is the reason why the practice of writing Autobiographies will also be developed and today it is known as a very popular genre. Shaukat Ara known as Sheen Farrukh was a brave and fearless writer and journalist. Sheen Farrukh's Autobiography was published under the name "Jeene Ka Juram". In Autobiography, she describes the intricacies and complexities of life, she brings her failed marriage and journalism experiences to the readers. Sheen Farrukh is the possessor of a reasoning mind. She never accepts the truth without arguments, nor does she resort to fabrications. This blasphemous and bitter style of writing is also found in her Autobiography "Jeene Ka juram".

KEYWORDS

Autobiography, reasoning mind, professional duty, imaginary lover, bitter memory, curiosity, social principle

اردو ادب میں آپ بیتی کو شعراء پر لکھے گئے تذکروں کی بدولت فروغ حاصل ہوا۔ جس میں میر تقی میر کی آپ بیتی "ذکر میر" اور واجد علی شاہ کی "پری خانہ" بہترین مثالیں ہیں۔ اُردو ادب میں "حیات نساخ"، "داستان غدر"، "قید فرہنگ" اور "تذکرہ" بہترین آپ بیتیاں ہیں، اس کے بعد ادب میں بہت سی آپ بیتیاں منظر عام پر آئیں جن میں مرد و خواتین دونوں طرح کے آپ بیتی نگار شامل ہیں۔ خواتین میں بانو

قدسیہ، ادا جعفری، بیگم اختر ریاض الدین، کشور ناہید، حمرا خلیق وغیرہ نمایاں آپ بیتی نگار ہیں جنھوں نے منفرد انداز اختیار کیا۔:

"آپ بیتی میں مواد اپنی ذات سے نکلتا ہے۔ خود کو زہ و خود کوزہ گر، خود مجرم، خود گواہ، خود ہی جج ہوتا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ آپ بیتی لکھنا شاعر کے مانند اپنے تاثر پر انحصار کرتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ شاعر نے کبھی اپنے واقعاتی صحت کا دعویٰ نہیں کیا۔۔۔۔ آپ بیتی میں صداقت کی جستجو لازمی ہے۔"[۱]

روزِ اول ہی سے انسان میں انکشاف اور تجسس کی صفت موجود رہی ہے۔ اپنی ذات کے علاوہ کسی دوسرے کی ذات کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا شوق ہمیشہ سے انسان کی خصلت میں رہا ہے اور اپنے ذاتی تجربات کو اجاگر کرنے کی خواہش مند رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ بیتیاں لکھنے کا رواج بھی ماضی سے شروع ہوا اور آج یہ نہایت مقبول صنف ہے۔

کار گاہِ ہستی میں آنے والا ہر فرد عام طور پر ایک ہی سماجی اصول کے تحت پیدا ہوتا ہے۔ مگر چند افراد غیر معمولی خوبیوں کے ساتھ جنم لیتے ہیں۔ وہ ہمہ وقت مختلف جہتوں میں طبع آزمائی کرتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کا لوہا منواتے ہیں۔ ان میں سے ایک اہم شخصیت ش فرخ کی ہے جن کا اصلی نام شوکت فرخ تھا۔ ش فرخ نے ۱۲ مارچ ۱۹۲۸ء کو ساہیوال میں آنکھ کھولی۔ ان کے آباؤ اجداد کا تعلق ضلع جالندھر سے تھا۔:

"ش فرخ کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ ۴۰ کی دہائی میں پنجاب کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد ایک استاد تھے۔ والد کی حوصلہ افزائی سے والدہ بھی استانی بن گئیں۔"[۲]

ش فرخ کی تخلیقات میں نئی دنیا پرانی دنیا (سفر نامہ)، آوا گون (سفر نامہ)، زرخیز پتھر (سفر نامہ)، گھومتا پہیہ (سفر نامہ)، وہ جا رہا ہے کوئی (تعزیتی کالم)، ماحولیات قانون اور ہم (تحقیق)، فصیلوں کے اُدھر (مضامین)، پرزے (کالم)، کاری زخم (کہانیاں)، مدار (سوانحی ناول) اور جینے کا جرم (آپ بیتی) شامل ہیں۔ شوکت فرخ ۱۷ جون ۲۰۲۱ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ وارث شاہ ان کی وفات پر اظہار افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔:

"پابند صحافت کی زنجیریں توڑنے میں سرگرم عمل، کراچی پریس کلب کے تقدس کو اصول و ضوابط کے مطابق چلانے اور ہر صحافت دشمن پر عقابی نگاہ رکھنے سپاٹ لہجے اور سخت گیر مزاج کی نرم دل رکھنے والی ش فرخ بھی اجل کی جانب چل دی، عطیہ داؤد اور خدا بخش ابڑو کی دن رات کی سنگی انھیں تنہا کر کے اپنی یادوں میں ایسا لپیٹ گئی کہ خدا بخش ابڑو خلائوں میں اسے تلاش کرتا ہوا محسوس ہوتا رہا تو عطیہ دکھ کے پہاڑ جھیلتی ہوئی بہادرانہ انداز سے ش فرخ کے دوست احباب جمع کرتی رہی اور ان کو اپنے غم کی ساتھی بناتی رہی۔"[۳]

ش فرخ نے صحافتی دنیا اور اس سے جڑے لوگوں کے لیے بہت کچھ کیا مگر اس صحافت اور معاشرے نے انہیں کچھ نہیں دیا۔ وہ کراچی میں اکیلی رہتی تھیں اور اپنی تنہائی کو کم کرنے کے لیے کرایہ دار رکھے تھے جنہوں نے ان کا بہت خیال رکھا اور ساتھ دیا۔ عطیہ داؤد اور ان کا شوہر خدا بخش ابڑو ش فرخ کے آخری وقت میں بھی ہمراہ تھے۔

شوکت آراء المعروف ش فرخ ایک بہادر اور بے باک صحافی تھیں، انھوں نے آپ بیتی "جینے کا جرم" کے نام سے لکھی، جس میں اپنی زندگی کی ناہمواریوں اور پیچیدگیوں کو بیان کرتی ہیں نیز اپنی ناکام شادی اور صحافت کے تجربات کو قارئین کے سامنے لاتی ہیں۔ ش فرخ آپ بیتی کے پہلے باب میں اپنے دادا، چچا اور والد کا تعارف کراتی ہیں۔ مصنفہ کے دادا "نور محمد" گاؤں کے زمیندار اور معزز انسان تھے جن کے تین بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے برکت علی نے تعلیم کے بجائے زمینوں کی دیکھ بھال کو اپنا محور بنایا۔ دوسرا بیٹا رحمت علی ادیب فاضل تھے اور سب سے چھوٹے بیٹے محمد علی ش فرخ کے والد تھے وہ کہتی ہیں۔:

> "ابا جی ضلع جالندھر کی تحصیل نکودر کے گاؤں اکبر پور کلاں میں پیدا ہوئے۔ کم سن میں ماں کا انتقال ہو گیا۔ گاؤں میں دادا نور محمد کی زرعی زمین تھی۔ ابا جی گاؤں کے کچھ فاصلے پر ننگل انبیا ہائی سکول میں تعلیم پائی، پھر پرائیویٹ منشی فاضل کیا۔ ابا جی کا نام محمد علی تھا۔ شاعری کرنے لگے تو اختر تخلص رکھا۔" [۴]

ش فرخ نے کم عمری میں تقسیم کے مناظر دیکھے اور وہ ان مناظر کو سمجھنے سے قاصر تھیں۔ انہیں نہیں معلوم تھا کہ بیل گاڑیاں، تانگے اور پیدل چلنے والے قافلے ادھر سے اُدھر کیوں آ جا رہے ہیں۔ ش فرخ کے قصبے میں زیادہ تر ہندوؤں اور سکھوں کی آبادی موجود تھی۔ جو ایک دم سے کہیں چلے گئے تھے۔ دراصل کم سنی میں ہی انہوں نے تقسیم کا سماں دیکھا وہ ان تمام نظاروں کو سمجھنے کے قابل نہ تھیں کہ یہ سب کیوں ہو رہا ہے، وہ اپنی آپ بیتی میں تقسیم کے منظر کو کچھ اس طرح بیان کرتی ہیں۔:

> "مجھے تو صرف وہ نظارہ حیران کرتا تھا۔ سامنے کی سڑک پر لوگوں کا تانتا تھا، پیدل چلتے ہوئے، بیل گاڑیوں، تانگوں پر سامان رکھے۔ ان پر سوار بہت سے لوگ کبھی مغرب کی طرف جا رہے ہوتے تو کبھی مشرق کی طرف کوئی کہہ رہا تھا۔۔۔ یہ قافلے ہیں۔"[۵]

ش فرخ تقسیم کے بعد پاکستان آ گئیں۔ جہاں انہوں نے منٹگمری کے گورنمنٹ گرلز ہائی سکول سے آٹھویں جماعت کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ میٹرک کا امتحان پرائیویٹ دیا جائے مگر قانون کے مطابق میٹرک کا امتحان دینے کے لیے لڑکیوں کی عمر پندرہ سال ہونا ضروری تھی اور ش فرخ کی عمر کم تھی۔:

> "فرخ کو کچی پہلی جماعت میں داخل کروانے کے بجائے پانچ جماعتوں تک ڈبل پروموشن دلوا کر چھٹی

جماعت میں داخل کروادیا گیا۔ قصبے کا صرف ایک ہی پرائمری اسکول تھا۔ پوری کلاس میں خاکی نیکروں
والے لڑکے اور میں اکیلی لڑکی، لیکن علامہ صاحب کی بیٹی تھی اس لیے سب بہت خیال رکھتے تھے۔"[٦]

ش فرخ نے پنجاب یونیورسٹی سے ۱۹۵۹ء میں جغرافیہ میں ایم اے کیا جب کہ اسلامیہ کالج میں ملازمت کے دوران ان کی ملاقات "م" سے ہوئی۔ جن کا پورا نام ش فرخ اپنی آپ بیتی میں نہیں لکھتیں۔ "م" ایک انشورنس کمپنی کے ریجنل منیجر تھے۔ دونوں میں محبت ہوئی۔ "م" کے گھر والے اس شادی کے لیے تیار نہ تھے مگر انہوں نے ش فرخ سے وعدہ کیا کہ وہ گھر والوں کو منالے گا۔ دوچار لوگوں کی بارات آئی اور ان کی شادی ہوگئی شاید "م" اپنے گھر والوں کو منانے میں ناکام رہا تھا۔ شادی کے بعد ش فرخ کو ملازمت کی اجازت نہیں ملی صرف اتنی اجازت ملی کہ کالج جاکر استعفیٰ دے آئیں۔:

"میرے پاس بظاہر سب ہی کچھ تو تھا ہماری شادی کی خوشی میں عزیزوں اور دوستوں کی دعوتیں، کمپنی کی
طرف سے اوفیشل پارٹیاں..... شادی کی پہلی سالگرہ پر سونے کے کڑوں کا تحفہ یہ سب کچھ اپنی تمناؤں
سے کہیں زیادہ تھا۔"[۷]

ہر طرح کی آسائش کے باوجود ش فرخ کو اپنی زندگی میں کوئی کمی سی محسوس ہوتی تھی۔ وہ اندر سے خوش نہیں تھیں اس آسائش بھری زندگی سے ان کا جی بھر سا رہا تھا جہاں کرنے کو کچھ نہ تھا اور اس سب نے شوکت فرخ کے وجود کو پتھر کر دیا تھا۔

"پُر آسائش ازدواجی زندگی نے مجھے گھر میں رکھا ہوا فرنیچر بنا دیا تھا
میرے پاس کرنے کو کچھ نہ تھا۔"[۸]

ش فرخ نے اپنے شوہر کے ساتھ مشرقی پاکستان کا بھی دورہ کیا اس کے بعد ۱۹۶۵ء کی جنگ چھڑی تو ان کے شوہر ریزروڈ فورس میں بطور لیفٹیننٹ بھرتی ہوئے اور دونوں کو تین ماہ کے لیے کوئٹہ جانے کا موقع ملا۔ ش فرخ خوش تھیں کہ آخر کار ایسی جگہ جارہی ہیں جہاں سے ان کی یادیں وابستہ ہیں مگر وہاں جاکر بھی "م" مصروف رہنے لگا اور ش کے حصے میں ہوٹل کے کمرے کے سناٹے کے سوا کچھ نہ آیا۔:

"روسو کی تحریر میں خلوص کے ساتھ خوف بھی پایا جاتا ہے پھر بھی روسو نے یہ بتایا ہے کہ ایک اچھی آپ
بیتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ کچھ نہ چھپائے اور بیرونی ملامت یا تحسین سے بے نیاز ہو کر ہر وہ بات کہہ
دے جو اُس کے کردار اور اُس کی شخصیت کی ہو بہو نقل بن جائے۔"[۹]

ش فرخ اپنی شادی سے بظاہر خوش نظر آتیں مگر اندر سے گھٹ رہی تھیں۔ شوہر کی بے وفائی کے باوجود وہ ان سے علیحدہ نہ ہو سکیں ،جب طلاق ہوئی تو پھر سے ش فرخ نے عملی دنیا میں قدم رکھا، صحافت کی طرف متوجہ ہوئی اور اخبار خواتین میں کام شروع کر دیا۔

صحافت میں آنے کے بعد ادبی اور سیاسی شخصیت سے ملناش فرخ کا پیشہ وارانہ فرض بن گیا تھا۔ وہ اس ماحول اور زندگی سے بے حد خوش و پُر سکون تھیں۔ وہ اس دوران ابن انشا، پروین شاکر، فہمیدہ ریاض، مستنصر حسین تارڑ، بانو قدسیہ، اشفاق احمد، حبیب جالب، قرۃ العین حیدر، عصمت چغتائی اور احمد فراز جیسی عظیم اور معتبر شخصیات سے ملیں اور ان سے اچھے تعلقات بھی قائم ہوئے۔ پروین شاکر کی کوئی کتاب آتی تو وہ ش فرخ کو لازمی دیتی تھیں۔ ابن انشا بھی کبھی کبھار ش فرخ کے دفتر آجاتے تھے۔ بقول ش فرخ۔:

"ایک دن ابن انشا نے مجھے اپنا سفر نامہ "آوارہ گرد کی ڈائری" دیا، اس پر لکھا، "ش فرخ کے لیے۔۔۔۔
خدا اسے بھی آوارہ گرد بنائے۔" حال ہی میں چین سے لوٹے تھے، جس میں ٹی کا ڈبہ بھی دیا۔ اتنا بڑا
ادیب، میں ایک چھوٹی سی صحافی، اُن کی عنایت مجھے ہوا میں اُڑا رہی تھی۔"[۱۰]

ش فرخ احمد فراز سے کافی متاثر نظر آتی ہیں۔ وہ ان سے کی گئی ملاقاتوں کو یاد کرتے ہوئے آپ بیتی میں لکھتی ہیں کہ ایک بار احمد فراز کا انٹرویو لیا اور اس کے بعد ہماری گہری دوستی ہو گئی، فراز کے مداحوں میں خواتین کی تعداد زیادہ رہی ہے۔ احمد فراز نے ایک بار اپنی کتاب "جاناں جاناں" دی اور اس پر لکھا۔:

"فرخ کے لیے رنجش اور محبت کے ساتھ "پھر نا جانے کیا سوچا اور اگلے صفحے پر لکھ دیا۔ سنو فرخ:

؎ دل میں کوئی خواہش روتی رہتی ہے
میرے اندر بارش ہوتی رہتی ہے۔"[۱۱]

ادبی شخصیات کے علاوہ کئی سیاسی شخصیات سے بھی ان کا ملنا جلنا رہتا تھا۔ ش فرخ ادیب اور صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شاعرہ بھی تھیں تاہم ان کی شاعری کو اب تصوراتی محبوب کی ضرورت نہ رہی تھی۔ وہ نہایت خوددار خاتون تھیں وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہتی تھیں اور کسی کا احسان نہیں لینا چاہتی تھیں کیونکہ ان کے نزدیک احسان لینے سے ساری زندگی ہی احسان کا بدلہ دینا پڑتا ہے۔ عطیہ داؤد بھی ان کی خودداری کو سہراتی ہیں۔:

"ش فرخ نہایت خوددار خاتون تھیں انہوں نے کبھی کسی کا سہارا نہیں لیا۔ نہ ہی کبھی ان کا کسی کے ساتھ
کوئی سکینڈل بنا تھا۔"[۱۲]

ش فرخ نے اخباروں کے لیے مضمون لکھنے شروع کئے جس سے تھوڑی بہت آمدنی آنے لگی پھر خدا کا کرم کہ ایک دوست کے توسط سے اخبار خواتین میں ملازمت مل گئی اور 500 روپے ماہانہ تنخواہ بہت معقول تھی۔ اب ش فرخ اپنی صحافتی زندگی میں مگن ہو گئی جہاں سے ان کی ایک نئی دنیا کا آغاز ہوا۔ ان کے بے رنگ اور پھیکے دنوں میں اب ہنگامہ آرائیاں شامل ہو گئی آگے چل کر صحافتی ترقی ہی ان کی زندگی کا واحد

مقصد ثابت ہوئی۔ بقول زاہدہ حنا۔:

"۷۰ کی دہائی شروع ہو رہی تھی جب شین فرخ سے راہ و رسم ہوئی۔ یہ وہ دن تھے جب میں "اخبار خواتین" سے رخصت ہوئی تھی اور شین اس ادارے میں داخل ہوئی تھیں۔ ریٹائرمنٹ تک وہ "اخبار خواتین" میں ہی رہیں۔"[۱۳]

۱۹۷۱ء کی جنگ میں رپورٹنگ کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ جنگ نے پورے شہر کو سنسان کر دیا تھا۔ ایک دن وہ اپنے ماں باپ سے ملنے گھر گئیں اور سوچا کہ بارڈر پر جا کر ایک اچھی سی سٹوری لکھی جائے مگر بھائی کی عزت کا سوال تھا، لوگ باتیں کرتے کہ صحافی بن کر بیٹی نے باپ کا نام خاک میں ملا دیا اس لیے اچھی سٹوری بنانے کی خواہش دل میں لیے ہی واپس آ گئیں کیونکہ صحافت ہی ان کی اول اور آخر ذمہ داری تھی۔ ان کے رشتے داروں کی فہرست کم اور دوستوں کی زیادہ تھی۔ قریبی دوستوں میں شہناز امام، کشور ناہید اور افتخار عارف شامل ہیں۔

کانفرنس اور تقریب وغیرہ کے سلسلے میں دہلی، نیال اور کولمبو وغیرہ جانا شاعروں، ادیبوں اور فنکاروں سے ملنا اُن کا پیشہ وارانہ فرض بن گیا تھا۔ وہ صحافت کی بدولت کئے فنکاروں اور ادبی شخصیات سی ملیں جن میں کچھ سے گہری دوستی ہو گئی۔ کشور ناہید لاہور میں ان کی مصروفیات کے بارے میں بتاتی ہیں۔:

"ش فرخ جب لاہور آتی تو بہت ساری چیزوں کی فہرست بنا کر اور لکھ کر لاتی۔ مثلاً پرانی انارکلی سے فالودہ کھانا، گوالمنڈی سے گجریلا اور مچھلی کھانی۔ لکشمی چوک سے کٹاکٹ اور چکڑ چھولے کھانے۔ حاجی کی دکان سے صبح چھ بجے ہریسہ کھانا۔ سب کو کھا کر نشان لگاتی جاتی"[۱۴]

ش فرخ جب گلشن اقبال رہنے لگیں تو ان یہاں ان کے پڑوس میں سید سبط الحسن کی بیٹی نوشابہ رہتی تھی۔ ش فرخ کی اس سے دوستی ہو گئی اور ان کی وجہ سے اکیلا پن کسی حد تک کم ہو گیا۔ گلشن اقبال کے گھر سے ان کی جہاں خوبصورت یادیں جوڑی وہیں ایک تلخ یاد بھی ہے۔

ایک کرائے کا قاتل پستول لیے انہیں مارنے آ گیا، وہ حملے سے تو بچ گئیں مگر زمین پر گرنے سے تھوڑی بہت چوٹیں آئیں۔ ایک ہفتہ ہسپتال میں رہیں مگر اس واقعہ نے ش فرخ کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

قاتلانہ حملہ، پھر اپنوں کی بے رحمی اور ازدواجی زندگی نے انہیں ذہنی مریض بنا دیا تھا۔ اپنی آپ بیتی کے چھٹے باب میں وہ احمد فراز کو یاد کرتی ہیں جو اس وقت واشنگٹن کے ہسپتال میں تھے وہ سوچ رہی تھیں کہ ان سے کراچی ائرپورٹ پر ملی تھیں عرصہ ہو گیا ملاقات ہوئے۔ احمد فراز نے ان سے کہا تھا کہ کسی کام کے لیے ضرورت ہو تو یاد کر سکتی ہیں۔

ش فرخ ذہین اور بے شمار صلاحیتوں سے مالا مال تھیں وہ ہر چیز کر دیکھتیں اس کے متعلق سوچتیں اور پھر اپنے سوالات سے معلومات

حاصل کرتیں۔اسی تجسس اور سوال پوچھنے کی عادت نے انہیں صحافی بنادیا اور آخر تک وہ اس پیشے کے ساتھ مخلص رہیں اور صحافت کی بدولت ہی شہرت کی بلندیوں کو چھوا۔شوہر کی بے وفائی اور اس سلوک کے بعد انہوں نے کبھی دوبارہ گھر بسانے کا نہیں سوچا اور ساری زندگی اکیلی رہیں۔ش فرخ ایک انا پرست اور خوددار خاتون تھیں وہ اپنا بوجھ کسی دوسرے کے کندھوں پر ڈالنے کی قائل نہیں تھیں۔بقول حمرا خلیق۔:

"اس زمانے میں شوکت فرخ کسی دوسرے شہر سے ٹرانسفر ہو کر ہمارے کالج میں داخل ہوئیں، وہ بھی میری ہم جماعت تھیں۔کچھ ہی دنوں میں وہ ہماری دوستوں کے حلقے میں شامل ہو گئیں وہ کافی ذہین اور بولڈ تھیں۔پڑھائی کے ساتھ ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی حصہ لینے لگیں۔"[۱۵]

ش فرخ کا زیادہ تر تعلق سیاست سے ہی رہا جس وجہ سے ان میں تلخ اور طنزیہ انداز آگیا جو ان کی تصنیف میں جابجا نظر آتا ہے۔وہ فیمنسٹ رائٹر اور جرنلسٹ کی صورت بے باک اور مضبوط کردار کے طور پر ہمارے سامنے آتی ہیں۔۷۰ء کی دہائی میں انھوں نے اخبار خواتین میں کام کرنا شروع کیا اور ریٹائرمنٹ تک اخبار خواتین سے وابستہ رہیں، ان کے حقوق کے لیے ہمیشہ آواز بلند کی اور سیاست کی سچائی جب ان کے سامنے آئی توش فرخ نے اپنی آپ بیتی میں سیاسی موضوعات کو تلخ، کھرے اور کھردرے انداز میں بیان کیا۔

وہ پابند صحافت کی زنجیریں توڑنے والی، کراچی پریس کلب کو اصول وضوابط کے مطابق چلانے اور ہر صحافت دشمن پر عقابی نگاہ رکھنے ،سپاٹ لہجے اور سخت گیر مزاج کی حامل تھیں۔اندازِ بیان کے لحاظ سے "جینے کا جُرم" سادہ، سلیس اور سپاٹ انداز میں لکھی گئی ہے۔ش فرخ نے گھریلو مشکلات، ناکام ازدواجی زندگی یا پھر سیاسی معاملات کا اظہار کرتے ہوئے کہیں بھی مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیا۔ش فرخ استدلالی ذہن کی مالک ہیں وہ کبھی بھی حقیقت کو بغیر دلائل کے قبول نہیں کرتیں اور نہ ہی من گھڑت باتوں کا سہارا لیتی ہیں۔یہ والہانہ اور تلخ انداز تحریر ان کی آپ بیتی "جینے کا جرم" میں بھی ملتا ہے۔

حوالہ جات

۱:سید عبداللہ، ڈاکٹر، وجہی سے عبدالحق تک، (لاہور: طبع دوم، مکتبہ خیابان ادب، طبع دوم، ۱۹۷۷ء)، ص ۳۱۴، ۳۱۳

2:https://www.punjnud.com/Articlesdetail.aspx?ArticleID=5582&ArticleTitle=SheenFarrukh-Aik-Be-Baak-Adeeba

۳:وارث رضا، ہاتھ قلم، لواحقین بنا شوکت کا جنازہ، ایکسپریس نیوز، ۲۰ جون ۲۰۲۱ء

۴:ش فرخ، جینے کا جُرم، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۷

۵:توصیف احمد خان،ڈاکٹر، تبصرہ، جینے کا جُرم،، ایکسپریس نیوز، ۱۸ اکتوبر ۲۰۱۳ء

۶:ش فرُخ، "جینے کا جُرم"، ص۱۶

۷:ایضاً، ص۵۵

۸:ایضاً، ص۵۶

۹:سید عبداللہ، ڈاکٹر،، "اُردو میں آپ بیتی"، (لاہور:الوقار پبلیکشنز،، ۲۰۰۳ء)، ص۳۵۴

۱۰:ش فرُخ، "جینے کا جُرم"، ص۶۶

۱۱:ایضاً، ص۸۶

۱۲:عطیہ داؤد، ٹیلی فونک گفتگو، ۲۹ جون ۲۰۲۱ء، بوقت شام ۷ بجے

۱۳:زاہدہ حنا، "نرم گرم، شین فرخ بھی رخصت ہوئیں، (کراچی:ایکسپریس نیوز، ۲۰ جنوری ۲۰۲۱ء)

۱۴:کشور ناہید، دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو، گردوپیش، ۲۴ جون ۲۰۲۱ء

۱۵:حمرا خلیق، کہاں کہاں سے گزر گئے، (کراچی:سانجھ پبلیکشن، ۲۰۱۵ء)، ص۶۶